Fikr-o-Nasar (Islamabad) 19:12 (1982)

اُندلس میں علمی سرگرمیاں

طفیل ہاشمی

اندلس میں اسلامی حکومت کی بنیاد ۹۲ھ/۷۱۱ء میں پڑی۔ اسلامی فتح سے پیشتر وہاں کی علمی سرگرمیوں کے ریکارڈ سے تاریخ کا دامن بالکل خالی ہے۔ صاعدالاندلسی نے اندلس کی علمی حالت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

"اندلس اسلامی فتح سے قبل علم سے خالی تھا۔ اہل اندلس میں کوئی مشہور عالم نہیں ہوا۔"[1]

قرون وسطٰی کے مسیحی مصنف ایزودور اشبیلی (۵۷۰ - ۶۳۶ء) نے کچھ کتابیں لکھی تھیں لیکن اسلامی عہد کی علمی تحقیقات میں ان کا بھی کہیں سراغ نہیں ملتا۔

اسلامی اندلس میں علمی ترقی مشرق کی بہ نسبت تاخیر سے شروع ہوئی جس کی بڑی وجہ وہاں کے مقامی حالات تھے۔ ابتدائی عہد کے مسلم حکمرانوں کو مقامی نزاعات نے علمی و فکری ترقی کی طرف توجہ دینے کی مہلت ہی نہیں دی۔[2] اس کے باوجود عبدالرحمٰن الداخل (۷۵۶ - ۷۸۸ء) لوگوں میں علم و ادب کا شوق بیدار کرنے کے لئے مشاعروں اور مناظروں کی مجالس منعقد کراتا تھا منظوم ادبی شہ پاروں اور کامیاب مناظروں پر انعامات دیئے جاتے تھے۔ اور امیر عبدالرحمٰن بذات خود ان علمی مجالس میں شریک ہوتا تھا۔[3]

اندلس کی حقیقی ترقی کا آغاز عبدالرحمٰن ثانی کے عہد حکومت (۸۲۲ - ۸۵۲ء) سے ہوا۔ وہ آرٹ اور تعمیرات کا دلدادہ ہونے کے ساتھ ساتھ ادبیات اور علوم عقلیہ کی بھی سرپرستی کرتا تھا۔ اس نے مشرق کے خلفاء کی طرح اپنے دربار میں فضلاء اور اعیانِ علم کو جمع کیا۔ اس کے

© Dr Muhammad Hamidullah Library, IIU, Islamabad. http://iri.iiu.edu.pk/

دربار میں یحییٰ بن یحییٰ، عبدالملک بن حبیب، ابن الماجشون، اصبغ بن الفرج اور محمد بن مزین جیسے محدثین و فقہاء اور یحییٰ بن حکم بن الغزال اور تمام بن علقمہ ایسے شعراء موجود تھے۔[۴] اس نے علمی و ادبی کتب کی فراہمی کے لئے متعدد اہل کار مقرر کئے ہوئے تھے جو بلادِ مشرق کے سفر کرتے نئی اور کم یاب کتب حاصل کر کے انہیں اندلس پہنچاتے۔ عباس بن ناصح کو یونانی کتب سائنس و فلسفہ کے عربی تراجم کی خریداری کے لئے عراق کے کتب فروشوں کے ہاں بھیجا۔ اس کے عہد میں قرطبہ کی سرکاری لائبریری میں خاطر خواہ اضافہ ہوا۔[۵] ہر چند اس عہد میں تعلیم عام کرنے کے اقدامات کئے گئے لیکن فقہاء مالکیہ کے حد سے بڑھے ہوئے اثر و رسوخ کے باعث علوم عقلیہ کے مطالعہ کو قبول عام حاصل نہ ہو سکا۔ البتہ عبدالرحمٰن الناصر (۹۱۲-۹۶۱) کا دور آزادیٔ افکار کا دور تھا قرطبہ کا فلسفی ابن مسرۃ (م ۳۱۹/۹۳۱) جسے ملحدانہ افکار کی تبلیغ کے الزام میں ملک بدر کر دیا گیا تھا عرب سے واپس اندلس آ گیا اور اپنے افکار کی تبلیغ کے لئے سیرہ میں مدرسہ تصوف کی بنیاد رکھی۔[۶] سائنس کی مختلف شاخوں میں تصنیف و تالیف کا آغاز ہوا۔ اسی دور میں تاریخ میں ابن الاحمر (م ۹۶۹ء) علم ہیئت میں احمد بن نصر (م ۹۴۴) اور مسلم بن قاسم (م ۹۶۴ء) علم ریاضی میں ابو غالب حباب بن عبادہ اور ابو ایوب، علم طب میں عریب بن سعد الکاتب یحییٰ بن اسحاق اور حسدائی بن شپروط (م ۳۶۱/۹۷۱) نے شہرت حاصل کی۔[۷] اسی عہد میں شاہ قسطنطنیہ نے ۳۳۷ھ/۹۴۸ء میں دیسقوریدس کی کتاب الادویۃ المفردۃ کا یونانی متن خلیفہ کو تحفۃً بھیجا جس کے ترجمہ کے لئے خلیفہ کی خواہش پر بعد میں ۹۵۱/۳۴۰ میں نقولا راہب کو بھیجا گیا جس نے متعدد اطباء کی مدد سے اسے یونانی سے عربی میں ترجمہ کیا۔[۸] ابن القوطیہ (۳۶۷/۹۷۷) نے افتتاح الاندلس کے نام سے عبدالرحمان الناصر کے عہد کے اوائل تک اسلامی اندلس کی تاریخ لکھی۔[۹] احمد الرازی (۳۴۲/۹۵۳) نے اندلس کی ایک

تاریخ لکھی[۱۰] جس سے بعد میں ابن الابار اور المقری نے بھرپور استفادہ کیا اور جا بجا اس کے حوالے دیئے۔

اندلس میں فراہمی کتب اور تصنیف و تالیف کا انقلابی دور عبدالرحمان الناصر کے جانشین الحکم ثانی (۹۶۱ - ۹۷۶) سے شروع ہوتا ہے۔ جو عالم اسلام کے خلفاء میں سب سے بڑا عالم تھا۔ ابن الابار نے اس امر پر حیرت کا اظہار کیا ہے کہ ابن الفرضی نے تاریخ علماء الاندلس میں اور ابن بشکوال نے کتاب الصلۃ میں حکم ثانی کا ذکر کیوں نہیں کیا حالانکہ وہ اندلس کے کبار علماء میں سے تھا۔[۱۱] الحکم اور اس کے بھائی عبداللہ نے اپنے باپ کی زندگی میں اپنی اپنی لائبریریاں قائم کی تھیں۔ الحکم نے ان لائبریریوں کو شاہی لائبریری میں مدغم کرکے اس کے حجم میں بڑا اضافہ کر دیا۔[۱۲] وہ کتابوں کا دلدادہ تھا اس کے کارندے دنیائے اسلام میں ہر کہیں مخطوطات یا ان کی نقلیں حاصل کرتے پھرتے تھے۔ قرطبہ کے ایک ادیب اور قاموس نگار محمد بن ابی الحسین فہری اور ایک دوسرے عالم محمد بن معمر کو حکم ثانی نے فراہمی مخطوطات اور نادر کتب کی نقول تیار کرنے پر مقرر کیا تھا۔[۱۳] یوسف البلوطی، ابوالفضل بن ہارون، عباس بن عمرو اور ظفر بغدادی نقل نویسی پر مامور تھے۔ فراہمی کتب کے لئے بیرونی فضلاء اور وراقین کی خدمات بھی حاصل کی گئی تھیں جن میں مصر کا ابن سابان، بغداد کا ابن یعقوب الکندی اور محمد بن طرحان حکم ثانی کی لائبریری کے لئے کتابیں فراہم کرتے تھے۔[۱۴] مشرق میں جو کتابیں تصنیف ہوتی تھیں ان کا علم اسے فضلاء مشرق سے بھی پہلے ہو جاتا تھا اور وہ کتاب کا پہلا نسخہ حاصل کرنے کے لئے مصنفین کو گراں قدر انعامات دیا کرتا۔ اس زمانے میں عراق میں ابوالفرج الاصبہانی (۸۹۰ - ۹۶۷) اپنی تصنیف "کتاب الآغانی" مرتب کر رہا تھا۔ الحکم کو معلوم ہوا تو اس نے کتاب کا پہلا نسخہ حاصل کرنے کے لئے الاصبہانی کے پاس ایک ہزار دینار بھیجے۔[۱۵]

اس طریقے سے الحکم کی لائبریری قرون وسطیٰ کی سب سے بڑی لائبریری بن گئی۔ اس کی لائبریری میں چار لاکھ کتابیں جمع ہو گئی تھیں جن کی فہرست چوالیس جلدوں پر مشتمل تھی اور ہر جلد کے

ہیں اور ایک روایت کے مطابق پچاس صفحات صنعت شاعری کی کتابوں کے لیے مختص تھے[۱۵]۔ جب کہ مصر کے شاہی کتب خانہ میں العزیز (م ۹۹۶ء) کے زمانے میں قرطبہ کے شاہی کتب خانہ سے نصف یعنی دو لاکھ کتابیں تھیں۔ بغداد کے سرکاری کتب خانہ میں کتابوں کا بڑا ذخیرہ تھا لیکن ان کی صحیح تعداد بیان نہیں کی گئی۔ المستنصریہ کالج کی لائبریری میں ۱۲۳۲ء میں صرف اسی ہزار کتابوں کا ذخیرہ تھا[۱۸] جبکہ اس کے چار سو سال بعد فرانس کے شاہ چارلس نے اپنے دارالحکومت میں ایک لائبریری قائم کی جس میں صرف نو سو کتابیں جمع کر سکا[۱۹]

خولیان ریبرا الحکم ثانی کے کتب خانے کے بارے میں رقم طراز ہے:

"جس عمارت میں الحکم کا کتب خانہ تھا وہ کچھ عرصہ کے بعد ناکافی ہو گئی تو الماریوں میں کتابیں ایک دوسرے کے اوپر رکھ دی گئیں یہاں تک کہ مزید گنجائش نہ رہی چنانچہ کتب خانہ دوسری جگہ منتقل کرنا پڑا۔ اس کتب خانے کی عظمت کا اندازہ اس سے لگائیے کہ اس کے منتقل کرنے میں چھ ماہ لگ گئے جب کہ خاصی تعداد میں لوگ مسلسل کام میں لگے رہے۔"[۲۰]

الحکم ثانی نے نہ صرف اتنی بڑی تعداد میں کتابیں جمع کی تھیں بلکہ ان کتابوں میں سے اکثر کا اس نے مطالعہ بھی کیا تھا اور ہر کتاب پر مصنف کی تاریخ ولادت و وفات اور اس کی زندگی سے متعلق کسی عجیب واقعہ کے علاوہ جابجا حواشی بھی لکھے[۲۱] جس کی وجہ سے بعد کے زمانہ کے محققین کی نگاہ میں ان مخطوطات کی قیمت دو چند ہو گئی۔

الحکم ثانی نے قرطبہ کو ایک ایسی علمی مارکیٹ میں تبدیل کر دیا تھا جہاں ہر ملک کی علمی و ادبی تخلیقات دستیاب تھیں۔ قرطبہ میں بیس ہزار کتب فروشی کی دکانیں تھیں۔ بیشتر کتب فروش اپنے اہتمام سے کتابوں کی نقول تیار کرواتے تھے۔"[۲۱] ملک کے تمام اہم شہروں میں پبلک لائبریریاں قائم کی گئی تھیں جو سرکاری خرچ پر چلتی تھیں صرف قرطبہ شہر میں ستر پبلک لائبریریاں تھیں[۲۲] متعدد مردوں اور خواتین کی ذاتی لائبریریاں تھیں جن میں ابن فطیس کی لائبریری سب سے بڑی تھی جس میں ہر وقت چھ نساخ نقول تیار کرنے کا کام کرتے تھے۔ اس کتب خانے کے مہتمم

شہر کے ایک بڑے عالم تھے۔ اس کتب خانے کی ضخامت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ جب یہ خاندان اسے فروخت کرنے پر مجبور ہوا تو چالیس ہزار دینار میں یہ کتب خانہ فروخت ہوا۔ خواتین میں عائشہ بنت احمد بن محمد بن قادم رضی اللہ عنہم، خدیجہ بنت جعفر التمیمی کے ذاتی کتب خانے تھے۔[۴۳] عام لوگ اور کم آمدنی والے افراد بھی اپنی آمدنی سے بچت کر کے کتابیں خریدتے تھے۔ امراء اور رؤسا بڑی بڑی لائبریریوں کو اپنے لئے باعث افتخار سمجھتے اور اس بات پر فخر کیا جاتا کہ فلاں شخص کے پاس فلاں ناسخ کی لکھی ہوئی فلاں کتاب موجود ہے جو کسی دوسرے کے پاس نہیں ہے۔ اس دور کے رجحان کا اندازہ المقری کے بیان کردہ ایک واقعہ سے ہوتا ہے۔ وہ لکھتا ہے:

"الحضرمی کہتا ہے کہ مجھے ایک کتاب کی شدید ضرورت تھی۔ میں کئی روز تک اس کی تلاش میں قرطبہ کے بازاروں میں گھومتا رہا۔ آخر ایک روز مجھے وہ کتاب انتہائی خوشخط اور دیدہ زیب جلد والی ایک کتب فروش کے پاس نظر آئی۔ میں نے اس کی مناسب قیمت تجویز کی لیکن اس کتاب کے ایک غائب گاہک نے میری قیمت سے زائد بولی دے دی اور یہ سلسلہ چل نکلا یہاں تک کہ کتاب کی قیمت کئی گنا بڑھ گئی۔ مجھے اس کتاب کی شدید ضرورت تھی لیکن اتنی زیادہ قیمت ادا کرنا میرے بس میں نہ تھا۔ میں نے کتب فروش سے کہا کہ مجھے اس غائب گاہک سے ملا دو، ممکن ہے ہم دونوں میں کوئی سمجھوتہ ہو جائے۔ کتب فروش نے مجھے اس سے ملا دیا تو میں نے اس سے کہا اے فقیہہ! اگر آپ کو اس کتاب کی اتنی ہی ضرورت ہے تو میں بولی دینا چھوڑ دیتا ہوں کیوں کہ اب اس کی قیمت حد سے بڑھ گئی ہے۔ اس شخص نے جواب دیا۔ میں نہ تو فقیہہ ہوں اور نہ مجھے اس کتاب کے مندرجات کا علم ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ میں نے ایک لائبریری قائم کی ہے جس میں ایک کتاب کی جگہ خالی ہے۔ اس کتاب کے نفیس خط اور خوب صورت جلد سے متاثر ہوا

ہوں اس لئے اسے خرید کر اپنی لائبریری میں رکھوں گا تاکہ اپنے ہم چشموں میں اس لائبریری کے باعث شہرت اور عزت پاؤں۔ میرے پاس اتنی دولت ہے کہ میں ہر قیمت پر اسے خرید سکتا ہوں"۔[۲۵]

قرطبہ کی شاہی اور نجی لائبریریوں کی بربادی کے بعد بھی بارہویں صدی میلادی تک قرطبہ میں اندلس کے دوسرے شہروں کی بہ نسبت زیادہ کتابیں موجود تھیں۔ ابن رشد (م ۵۹۵/۱۱۹۸) نے قرطبہ اور اشبیلیہ کا باہمی تقابل کرتے ہوئے کہا ہے اگر اشبیلیہ میں کوئی عالم فوت ہو جائے تو اس کی کتابیں قرطبہ کی مارکیٹ میں فروخت کے لئے لائی جاتی ہیں اور اگر قرطبہ میں کوئی مغنی مر جائے تو اس کے آلاتِ طرب اشبیلیہ کے بازاروں میں فروخت ہوتے ہیں"۔[۲۶]

اسلامی عہد میں اندلس میں تعلیم عام ہو گئی تھی۔ تعلیم کے مختلف درجات تھے۔ پرائمری سطح پر قرآن حکیم، عربی زبان کے منتخب ادب پاروں، خطوط نویسی، انشاپردازی اور عربی گرامر کی تعلیم دی جاتی تھی"۔[۲۷] اندلس کی ہر بڑی بستی میں کئی مدارس تھے جن میں ثانوی تعلیم کا انتظام تھا۔ صرف قرطبہ میں حکم ثانی نے ستائیس ایسے مدارس قائم کئے جن میں مفت تعلیم کا انتظام تھا[۲۸] قرطبہ، اشبیلیہ، ملاغہ، سرقسطہ اور جیان میں اعلیٰ تعلیم کی یونیورسٹیاں تھیں[۲۹] جہاں بالعموم بلا معاوضہ تعلیم دی جاتی تھی۔ اکثر اساتذہ کو حکومت کی طرف سے مشاہرے ملتے تھے اور نادار طلبہ کی ضروریات کی کفالت بھی حکومت کرتی تھی۔ ان جامعات میں حدیث، تفسیر، ادبیات تاریخ، سائنس اور فلسفہ کے علوم پڑھائے جاتے تھے۔[۳۰] حکم ثانی کے عہد میں جامعہ قرطبہ کو جو عبدالرحمان الناصر کی بنائی ہوئی مسجد میں قائم کی گئی تھی دنیا کے تعلیمی اداروں میں نمایاں مقام حاصل ہو گیا تھا۔ یہ جامعہ قاہرہ کی جامعۃ الازہر اور بغداد کی جامعہ نظامیہ دونوں سے شہرت میں سبقت لے گئی تھی۔ یہاں نہ صرف اندلس کے مسلمان، نصرانی اور یہودی طلبہ تعلیم

حاصل کرتے تھے بلکہ یورپ، ایشیا اور افریقہ سے بھی تشنگانِ علم اپنی پیاس بجھانے کے لئے یہاں آتے تھے۔(۳۱)

حکم ثانی کے عہد میں اندلس کا عام ثقافتی معیار اتنی بلندی پر پہنچ چکا تھا کہ ڈوزی لکھتا ہے۔

"سپین کے تقریباً ہر آدمی کو لکھنا پڑھنا آتا تھا اور یہ اس زمانے کی بات ہے جب مسیحی یورپ بس علم کی مبادیات ہی جانتا تھا اور یہ مبادیات بھی بڑی حد تک گنتی کے اراکین کلیسا جانتے تھے"۔(۳۲)

جامعہ قرطبہ میں ابو بکر بن القوطیہ، ابو علی القالی اور ابوابراہیم الفقیہ ایسے جید علماء درس دیا کرتے تھے۔ الحکم ثانی علماء کی کانفرنسیں منعقد کرایا کرتا اور خود ان کی صدارت کرتا تھا۔ وہ علماء کا کتنا قدر دان تھا اس کا اندازہ المقری کے بیان کردہ درج ذیل واقعہ سے ہو سکتا ہے:

"ایک مرتبہ فقیہ ابوابراہیم کو الحکم ثانی نے بلا بھیجا وہ اس وقت جامعہ قرطبہ میں درس حدیث دے رہے تھے۔ انہوں نے جواب دیا کہ میں اس وقت ایک کارِ خیر میں معروف ہوں اس لئے نہیں آ سکتا۔ خلیفہ نے دوبارہ خادم کو بھیجا اور یہ ہدایت کی کہ جونہی فارغ ہوں انہیں ساتھ لے آؤ۔ انہوں نے جواب میں کہلا بھیجا کہ میں اس قدر کمزور ہوں کہ نہ تو باب السدہ تک فاصلہ پیدل طے کر سکتا ہوں اور نہ گھوڑے پر سوار ہو سکتا ہوں خلیفہ نے ان کے لئے جامع مسجد اور شاہی محل کا اپنے لئے مختص درمیانی دروازہ باب الصناعۃ کھلوا دیا اور جب فقیہ درس حدیث سے فارغ ہو کر دربار میں تشریف لے گئے تو خلیفہ اور تمام اعیان مملکت نے انتہائی گرم جوشی سے ان کا استقبال کیا"۔(۳۳)

اندلس کے عوام و خواص علماء کو عزت و مکرمت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ بالعموم مساجد

کے ساتھ مدارس تھے جہاں علماء کو تنخواہیں دے کر تعلیم کے لئے مقرر کیا جاتا۔ لوگ علم برائے علم کے قائل تھے نہ کہ علم برائے معاش۔[۳۴] تعلیمی میدان میں خواتین بھی مردوں سے پیچھے نہیں تھیں۔[۳۵]

مشرق و مغرب کی اسلامی ریاستوں کے سیاسی اختلاف کے باوجود اندلس میں اسلامی حکومت قائم ہونے پر کئی ایک علماء مشرق سے ترک وطن کر کے سپین میں جا آباد ہوئے جن سے وہاں کے لوگوں نے علم حاصل کیا۔ المقری نے بہتر نامور افراد کا ذکر کیا ہے جو مشرق سے آکر اندلس میں آباد ہوئے ان میں ابو علی القالی، یونس الحرانی، خاندان بنو زہر کا مورث اعلیٰ زہر، ابو العلاء صاعد البغدادی ظفر بغدادی اور محمد بن موسیٰ الرازی ایسے علماء شامل ہیں۔[۳۶] دوسری طرف اندلس سے علم کے متلاشی بلاد مشرق کے علماء سے فیض یاب ہونے کے لئے سرگرم سفر رہتے۔ المقری نے نفح الطیب کا ایک ضخیم باب ان افراد کے لئے مختص کیا ہے جو علم و ادب کی تلاش میں بلاد مشرق کے سفر پر گئے اس نے تین سو پانچ افراد کا ذکر کیا ہے جن میں سے ہر ایک شخص علم کی کسی ایک یا متعدد شاخوں میں کمال کو پہنچا ہوا تھا۔[۳۷]

الحکم ثانی کے بعد حقیقی اقتدار ابن ابی عامر المنصور (۹۷۶-۱۰۰۲ء) کے ہاتھ آیا جو بہترین منتظم اور علم دوست تھا لیکن اس نے اپنی ہوشیاری اور موقعہ شناسی کی وجہ سے اقتدار پر قبضہ کیا تھا اس لئے وہ اپنے اقتدار کو ہر شے سے عزیز رکھتا۔ اسے احساس ہوا کہ اس کی فلسفہ پسندی اور علوم عقلیہ سے رغبت کو فقہاء مالکیہ جن کو عوام کی دینی اور روحانی قیادت کا منصب حاصل ہے اس کے خلاف استعمال کر سکتے ہیں۔ چنانچہ اس نے علماء کی خوشنودی حاصل کرنے اور عوام کے دل جیتنے کے لئے الاصیلی، ابن ذکوان اور الزبیدی کو طلب کر کے حکم دیا کہ حکم ثانی کے کتب خانہ میں فلسفہ و ہیئت کی جس قدر کتابیں ایسی ہوں جن کا پڑھنا از روئے دین حرام ہو انہیں الگ کر دیا جائے۔ جب کتابیں علیحدہ ہو گئیں تو ابن ابی عامر نے کچھ جلوا دیں اور کچھ گڑھا کھود کر دفن کر دیں

ان حالات میں جس کسی کے پاس کوئی ایسی کتاب تھی اس نے چھپادی اور علوم عقلیہ میں گفتگو روک دی اور کئی ایک علوم عقلیہ کے ماہر اپنا وطن چھوڑنے پر مجبور ہو گئے جن میں عبدالرحمان بن اسماعیل بن زید جو اقلیدس الاندلس کے لقب سے مشہور تھا ترک وطن کر کے بلاد مشرق کی طرف چلا گیا۔[۳۸]

المنصور کی اولاد کے خلاف جب قرطبہ میں ہنگامہ بپا ہوا اور خلافت بنوامیہ لخت لخت ہو گئی تو اس فتنہ کی کوکھ سے تین بڑے گروہوں نے جنم لیا:

۱۔ بربر : جو جنوبی اندلس پر قابض ہو گئے۔

۲۔ صقالبہ : جنہوں نے مشرقی اندلس پر قبضہ جمالیا۔

۳۔ اندلسی : جنہوں نے باقی ماندہ جزیرہ نمائے اندلس میں چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم کرلیں

ان ریاستوں میں سے چند ایک تو علمی و فکری تاریخ میں کسی باب کا اضافہ کئے بغیر اپنے فطری انجام کو پہنچ گئیں جب کہ کچھ دوسری ریاستوں میں علوم و آداب کے میدان میں مقابلہ و مسابقہ کی صورت پیدا ہو گئی۔ طوائف الملوک کے عہد میں سیاسی انتشار کے باوجود علمی و فکری ترقی روز افزوں رہی جس کی متعدد وجوہات ہیں:

۱۔ عصر خلافت میں ہر شعبہ علم کے متعلق لکھی گئی قدیم و جدید کتب کا ذخیرہ جمع کرلیا گیا تھا اس لئے اب ان علوم میں مزید تحقیقات و اضافات کا دور شروع ہو گیا۔

۲۔ قرطبہ کے دربار خلافت میں جو علماء جمع تھے وہ مختلف دارالحکومتوں میں پھیل گئے اور انہوں نے اپنے اپنے حلقے میں علمی کام تیز تر کر دیا۔

۳۔ الحکم ثانی نے قرطبہ میں جو لائبریری قائم کی تھی اور اس کے علاوہ جو پبلک لائبریریاں تھیں ان کی کتب فسادات کے ایام میں اطراف و اکناف مملکت میں بکھر گئیں اور مختلف دارالحکومتوں میں پہنچ گئیں جس کی وجہ سے علمی و فکری دائرہ وسیع ہو گیا۔[۳۹]

۴۔ عصر الطوائف میں فقہاء کی گرفت کمزور پڑ گئی اور ملوک الطوائف نے آزادانہ غور و فکر، سائنس اور فلسفہ اور بحوث و مناظرات کی حوصلہ افزائی کی۔

ان اسباب کی وجہ سے ملوک الطوائف کے دور میں سیاسی انتشار کے باوجود علمی ترقی روز افزوں رہی۔ قرطبہ میں بنو جہور کی حکومت تھی جہاں ابن الحزم القرطبی، الحمیدی، ابن حیّان اور ابن الطلاع الفقیہ ایسے محققین نے جنم لیا۔ غرناطہ پر طوائف بربر کا قبضہ تھا جو نسبتًہ کم علمی ذوق رکھتے تھے اس کے باوجود وہاں مشہور شاعر فلسفی اور ماہر فلکیات ابو الفتوح الجرجانی اور فقیہہ ابو اسحاق الالبیری نے فروغ پایا۔ المریہ میں احمد بن عباس کی حکومت تھی جو خود عالم اور علماء کا قدردان تھا اس کے کتب خانہ میں چار لاکھ کتابیں تھیں۔ احمد بن عباس کے جانشین بھی علوم و آداب کے سرپرست تھے۔ ان کے دربار میں شعراء کا ہجوم رہتا تھا۔ اندلس کا اولیں جغرافیہ نگار ابو عبید البکری عصر الطوائف میں المریہ میں بام عروج کو پہنچا۔[40] اشبیلیہ کے حکمران المعتضد اور المعتمد خود شاعر اور شاعروں کے قدردان تھے۔[41] بطلیوس کے بنو افطس میں سے مظفر بن افطس نے المظفری کے نام سے پچاس جلدوں میں ایک دائرۃ المعارف مدون کیا جس کا تمام مواد اس نے اپنی لائبریری سے حاصل کیا تھا۔[42] طلیطلہ جہاں بنو ذوالنون کی حکومت تھی سائنسی علوم کی ترویج و ترقی میں دیگر مراکز سے بازی لے گیا۔ ماہر فلکیات الزرقالی، فلسفی اور ریاضی دان سعید بن محمد البغونش، نامور طبیب اور ماہر نباتات ابن الوافد، محمد التمیمی، ابو الولید الوقشی اور مؤرخین میں سے صاعد الطلیطلی اور الحجاری دربار طلیطلہ سے وابستہ تھے۔[43] سرقسطہ کے بنو ہود فلسفہ، ریاضیات اور فلکیات میں بذات خود شغف رکھتے تھے۔ المقتدر سائنسی علوم کا جید عالم تھا اس کے بیٹے المؤتمن نے فلکیات پر ایک کتاب لکھی۔[44] ابن باجہ، ابن جبیرول اور الکرمانی سرقسطہ کے دربار سے منسلک تھے۔

الکرمانی جب مشرق سے رسائل اخوان الصفا لے کر اندلس گیا تو دربار سرقسطہ میں ان کو بہت پذیرائی حاصل ہوئی۔(۴۵)

اندلس میں المرابطون کے عہد کو ڈوزی نے علمی اعتبار سے بے ثمر عہد قرار دیا ہے اور عبدالواحد المراکشی کا بیان جو صرف علی بن یوسف بن تاشفین کے عہد سے متعلق تھا۔(۴۶) عام کر کے پورے مرابطی دور کو جہالت اور مذہبی تعصب کے عہد سے موسوم کر دیا(۴۷) جب کہ امر واقعہ یہ ہے کہ علمی و ادبی ترقی جو عصر الطوائف میں جاری تھی بدستور آگے بڑھتی رہی۔ قرطبہ، مرسیہ، المریہ دانیہ، اشبیلیہ، بلنسیہ، طرطوشہ، غرناطہ، بطلیوس، شاطبہ، سرقسطہ اور شلب میں تعلیمی ادارے قائم تھے۔ تاریخ میں ابن بشکوال اور ابن الضبی، جغرافیہ میں ابوحامد الغرناطی اور شریف الادریسی، فلسفہ میں ابن باجہ، ریاضیات میں ابن مسعود، ابن سہل الضریر اور جابر بن افلح، طب میں ابوالصلت امیہ بن عبدالعزیز، سفیان الاندلسی اور خاندان بنو زہر کے ابو مروان اور ابوالعلا عصر مرابطین کے نامور علماء میں شمار ہوتے ہیں(۴۸)

اندلس کی زمام اقتدار جب الموحدون کے ہاتھ آئی تو علمی و فکری میدانوں میں ترقی کی رفتار تیز ہو گئی۔ موحد فرماں روا علماء کے قدردان اور علم و ادب کے سرپرست تھے۔ اس دور میں صرف قرطبہ میں آٹھ سو تعلیمی ادارے ایسے تھے جن میں ثانوی اور اعلیٰ تعلیم کا انتظام تھا ان درسگاہوں میں دس ہزار سے زائد طلبہ علوم اسلامیہ، ادبیات اور سائنس کی تعلیم حاصل کرتے تھے۔(۴۹) اس دور میں تاریخ میں ابن الابار، جغرافیہ میں ابن جبیر، فلکیات میں البطروجی طب میں بنو زہر اور نباتات میں ابن البیطار نامور علماء گزرے ہیں(۵۰) اسی دور میں فلسفہ کے دو باقاعدہ فکری مدارس وجود میں آ گئے ایک ارسطی مدرسہ جس کے نمائندہ ابن باجہ، ابن طفیل اور ابن رشد تھے اور دوسرا افلاطونی مدرسہ جس کے سب سے بڑے نمائندہ محی الدین ابن العربی تھے۔

بارہویں صدی میلادی کے نصف میں جزیرہ نمائے اندلس میں مسلمانوں کی حکومت سمٹ کر صرف غرناطہ تک محدود ہو گئی تھی۔ مملکت غرناطہ نے انتہائی نامساعد حالات میں اڑھائی سو سال تک نہ صرف اپنا وجود برقرار رکھا بلکہ علمی ترقی میں بھی خاطر خواہ حصہ لیا۔ بنو نصر کے ساتویں حکمران یوسف ابو الحجاج (۱۳۳۳-۱۳۵۴) نے غرناطہ یونیورسٹی کی بنیاد رکھی۔ لسان الدین ابن الخطیب اس فرماں روا کا وزیر تھا۔ ایک سو بیس ایسے عالم، ادیب، مورخ، محدث اور سائنس دان تھے جن کے طفیل غرناطہ یونیورسٹی اپنے زمانے میں بے عدیل مانی جاتی تھی۔ اس کے علاوہ غرناطہ میں ستر عام کتب خانے، سترہ کالج اور دو سو ابتدائی مدارس تھے۔[۵۱] مشہور ماہر عمرانیات علامہ ابن خلدون نامور سیاح رزین بن معاویہ العبدری، ابو عبداللہ محمد بن عمر ابن رشید اور ریاضی دان ابن البناء جس کی کتاب التلخیص فی اعمال الحساب آج تک جامعہ فاس میں شامل نصاب ہے اور ابو بکر محمد ابن احمد الرقوطی جسے الفونسو العاشر نے مرسیہ کے مدرسہ میں شعبہ ریاضی کا عمید مقرر کیا تھا اس عہد کے مشہور علماء میں شامل ہیں۔[۵۲]

اندلس کے مسلمانوں کی علمی و ثقافتی سرگرمیاں صرف مسلمانوں تک ہی محدود نہیں رہیں بلکہ متعصبین نے بھی اس زلال صافی سے اپنے اپنے جام بھرے۔ بارہویں صدی میلادی سے مغرب کا ہر وہ شخص جسے علوم سے ذرا بھی لگاؤ ہوتا اور اکتساب علوم کی خواہش رکھتا تو مشرق کا رخ کرتا یا اسلامی مغرب کا۔ اس زمانے میں عربوں کی کتابوں کے تراجم شروع ہوئے۔ سپین کے مسیحی حکمرانوں نے عرب فرماں رواؤں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اپنے درباروں کو علماء و فضلاء سے رونق دینے، کتب جمع کرنے اور علمی و سائنسی اکتشافات کی سرپرستی کرنے کا طریق کار اختیار کیا۔ تاریخی عمل کا تسلسل جاری رہا نتیجۃً معلمان انسانیت جہالت کے اندھیروں میں ڈوب گئے اور علم کا سورج کسی اور سرزمین کو منور کرنے لگ گیا۔

مآخذ و مصادر

۱۔ صاعد الاندلسی، طبقات الامم، مطبعۃ السعادۃ، القاہرہ، ص ۹۰

۲۔ الدومیلی، العلم عند العرب داثرہ فی تطور العلم العالمی (ترجمہ عبدالحلیم النجار و محمد یوسف موسیٰ)، دار القلم القاہرہ ۱۹۶۲، ص ۳۴۵

۳۔ المقری، احمد بن محمد، نفح الطیب فی غصن الاندلس الرطیب، طبع ڈوزی ۱۸۵۵، ۱/۱۲-۲۸

۴۔ ابن العذاری المراکشی، البیان المغرب فی اخبار الاندلس والمغرب، نشر و تحقیق: ج۔ س کولان و لیفی پروفنسال۔ لیڈن ۱۹۴۸، ۲: ۱۱۰
آنخل گنثالث پالنثیا، تاریخ الفکر الاندلسی (ترجمہ حسین مونس) مکتبۃ النھضۃ المصریۃ القاہرہ ۱۹۵۵، ص ۴-۵

۵۔ Levi Provencal Historie de L'Espagne Musulmane, Paris 1950-3 pp. 64, 85.

۶۔ الزرکلی، خیر الدین، الاعلام، بیروت، ۷: ۹۶

۷۔ الحمیدی، محمد بن فتوح، جذوۃ المقتبس فی ذکر ولاۃ الاندلس، مکتب نشر الثقافۃ الاسلامیۃ القاہرہ ۱۹۵۲، ص ۵۸-۹، ابن ابی اصیبعہ، عیون الانباء فی طبقات الاطباء، دار الحیاۃ بیروت ۱۹۶۵، ص ۴۸۸ صاعد، ۱۰۵، ۱۲۱، المقری ۲: ۹۳، ۱۲۳، فکر اندلسی ۸۱

۸۔ ابن ابی اصیبعہ، ۴۹۳-۴، فواد سید، تعلیقات علی طبقات الاطباء والحکماء لابن جلجل، المعھد العلمی الفرنسی القاہرہ ۱۹۵۵، ص ۲۲۔

۹۔ ابن الفرضی، تاریخ علماء الاندلس، مکتب نشر الثقافۃ الاسلامیۃ القاہرہ ۱۹۵۴، رقم ۱۳۱۷

۱۰۔ المقری، ۲: ۲۵۶

۱۱۔ ابن الابار، محمد بن عبداللہ، الحلۃ السیراء، الشرکۃ العربیۃ القاہرہ ۱۹۶۳ء، ۱ : ۲۰۱

۱۲۔ الحلۃ السیراء، ۱ : ۲۰۱، خولیان ریبرا، اسلامی اندلس میں کتب خانے اور شائقین کتب (ترجمہ : احمد خان) ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد ۱۹۷۴ء، ص ۱۵

۱۳۔ ابن الابار، التکملۃ لکتاب الصلۃ، نشر الثقافۃ الاسلامیۃ القاہرہ ۱۹۵۶ء، ۱ : ۱۰۶ الضبی احمد بن عمیرہ، بغیۃ الملتمس فی تاریخ رجال اہل الاندلس، طبع کودیرا اور ریبرا ۱۸۸۴ء، ص ۶۱

۱۴۔ الحلۃ السیراء ۱ : ۲۰۲، التکملۃ لکتاب الصلۃ، ۱ : ۲۴۳، المقری، ۲ : ۷۶، القرطبی، ۱ : ۳۴۳

۱۵۔ المقری ۱ : ۲۵۰، الحلۃ السیراء ۱ : ۲۰۱ - ۲

۱۶۔ ایضاً

۱۷۔ S. Imam Din, A Political History of Muslim Spain, Dacca 1961, p. 179

۱۸۔ گستاؤلیبان، تمدن عرب (ترجمہ علی بلگرامی)، مقبول اکیڈمی لاہور، ص ۲۹۹

۱۹۔ خولیان ریبرا، ۲۰

۲۰۔ المقری، ۱ : ۲۵۶، الحلۃ السیراء، ۱ : ۲۰۲

۲۱۔ نقل نویسی کا مشغلہ اس قدر عام تھا کہ عورتیں بھی کتابیں لکھتیں جنہیں وراقین کے ہاں فروخت کر دیتی تھیں۔ المراکشی (المعجب فی تلخیص اخبار المغرب، المطبعۃ الاستقامۃ القاہرہ ۱۹۴۹ء، ص ۳۰۲) لکھتا ہے کہ قرطبہ کے صرف شرقی حصہ میں ۱۷۰ خواتین ایسی تھیں جو قرآن حکیم خط کوفی میں لکھا کرتی تھیں۔

۲۲۔ Mc Cabe, Splendour of Moorish in Spain, London 1935 p. 81

۲۳۔ ابن بشکوال، خلف بن عبدالملک، الصلة فی تاریخ ائمۃ الاندلس، مکتب نشر الثقافۃ الاسلامیۃ القاہرہ ۱۹۵۵ء ۱:۲۹۰-۳۰۰، ۲:۶۵۴-۵

۲۴۔ ریبرا، ۲۲-۲۴

۲۵۔ المقری، ۱:۳۰۲

۲۶۔ ایضاً

۲۷۔ Cambridge Medieval History, London 1942 III : 434

۲۸ Dozy, Spainish Islam (English Translation) London 1931, 455

۲۹ Ameer Ali, Ashort History of the Saracens London 1955 p. 577

۳۰ Mc Cabe. p 190

۳۱ Hitti, P.K. History of the Arabs, Edinburgh 1968 p 530

۳۲ Spainish Islam, p 455

۳۳۔ المقری، ۱:۲۴۴-۵

۳۴۔ ایضاً، ۱:۱۳۶، ۲۴۴-۵، ۲:۴۸-۵۱

۳۵۔ المقری نے نفح الطیب کا ایک مکمل باب (۲:۵۲۶-۶۳۹) خواتین کی علمی و ادبی سرگرمیوں کے لئے وقف کیا ہے۔

۳۶۔ ایضاً ۲:۲-۱۰۳

۳۷۔ ۱: ۳۶۲-۹۴۳

۳۸۔ ایضاً، ۱:۱۳۶، صاعد، ۱۰۲-۳

۳۹۔ صاعد، ۱۰۳

۴۰۔ نکر اندلسی ، ۱۷

۴۱۔ Spainish Islam, 660-70

۴۲۔ المقری ۲: ۲۵۸

۴۳۔ نکر اندلسی ، ۱۷

۴۴۔ یہ کتاب ضائع ہوگئی اور سارٹن نے (Introduction to the History of Science, Washington 1950 1 ; 759) اس امر پر حیرت کا اظہار کیا ہے کہ ایک بادشاہ کی تصنیف کیسے ضائع ہوگی۔ لیکن امر واقعہ یہ ہے جس التزام سے اندلس میں مسلمانوں اور ان کے آثار کو مٹایا گیا ہے اسے دیکھ کر حیرت اس بات پر ہوتی ہے کہ کچھ کتابیں باقی کیسے بچ رہیں

۴۵۔ ابن القفطی، تاریخ الحکماء، لیپزگ ۱۹۰۳ ، ۲۴۳ ، ۴۰۶

۴۶۔ عبدالواحد المراکشی ، ۱۷۲ - ۳

۴۷۔ Spainish Islam, p. 720

۴۸۔ حسن محمود، قیام دولۃ المرابطین ، مکتبۃ النھضۃ المصریۃ، القاہرہ ۱۹۵۷ ، ۴۲۲ - ۷

۴۹۔ Mc Cabe, 190

۵۰۔ محمد المنونی، العلوم والآداب والفنون علی عہد الموحدین، ص ۹۷ - ۱۳۴

۵۱۔ Ameer Ali, 569-70

۵۲۔ تاریخ الفکر الاندلسی ، ۲۴ - ۲۵